قرآن کریم کا نظریۂ سیاست

روشن علی [1]

سیاست کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

قرآن کریم کا سیاسی نظریہ بیان کرنے سے پہلے سیاست کا لغت اور اصطلاح کی روشنی میں مختصر تعارف کرانا ضروری ہے۔ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے جو ساس یسوس سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے مختلف مفاہیم ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل پیش کیے جا رہے ہیں۔ علامہ فخر الدین الطریحی (م) سیاست کی معنی تحریر کرتے ہیں: ساس یسوس ... الرعیة امرھا و نھاھا۔ [1] جب رعیت کے بارے میں ہو تو اس کے معنی ہوں گے اس نے حکم کیا اور منع کیا۔ لویس معلوف المنجد میں سیاست کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: السیاسۃ: استصلاح الخلق بارشادھم الی الطریق المنجّی فی العاجل و الآجلِ۔ [2] سیاست: عوام کی اصلاح اور ان کی ہدایت کرنا، ایک ایسے راستے کی طرف جو انہیں نجات دلائے دنیا و آخرت میں۔

مزید لکھتے ہیں: فنّ الحکم و ادارۃِ اعمال الدولۃِ الداخلیۃِ و الخارجیۃِ و منه السیاسۃ الداخلیّۃ و الخارجیّۃ۔ [3] "سیاست حکومت کرنے کا فن ہے اور مملکت کے داخلی و خارجی امور کو چلانا ہے اور اس میں سے ہی سیاست داخلی و خارجی ہے۔" سیاست ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے عدل اور انصاف قائم کیا جا سکتا ہے اور معاش کی اصلاح کی جا سکتی ہے: السیاسۃ المدنیۃ: تدبیر المعاش مع العموم علیٰ سنَنِ العدلِ و الاستقامۃِ۔ [4] عوام کی معاشی حالت کی تدبیر کرتے ہوئے عدل کی پائیداری کا لحاظ کرنا۔

علّامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: فالسیّاسۃ و الملك ھی کفالۃ للخلق و خلافۃ للہ فی العباد لتنفیذ احکامه فیھم۔" ([5]) سیاست اور حکومت مخلوق کی کفالت ہے اور اللہ کی نیابت ہے اللہ کے بندوں پر اس کے احکام نافذ کرنے میں۔ ابن نجیم سیاست کا مقصد اور اقسام لکھتے ہیں: و السیاسۃ نوعان سیاسۃ عادلۃ تخرج الحق من الظالم الفاجر فھی من الشریعۃ .... و نوع الآخر سیاسۃ ظالمۃ فالشّریعۃ تحرمھا۔ [6] سیاست کی دو اقسام ہیں: ایک عدل اور انصاف پر مبنی سیاست، جس کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے ان کا حق دلایا جاتا ہے۔ یہ سیاست

1۔ اسسٹنٹ پروفیسر ایف جی کالج اسلام آباد

شریعت کا ایک حصہ ہے .... دوسری سیاست، سیاست ظالمہ ہے، جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔
حافظ ابن قیم سیاست کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: و لا نقول انّ السیاست العادلة مخالفة للشریعة الکاملة بل ھی جزء من اجزائھا و باب من ابوابھا و تسمیتھا سیاسة امر اصطلاحی و الّا فاذا کانت عدلا فھی من الشّرع۔ [7] ہم یہ نہیں کہتے کہ سیاست عادلہ شریعت کاملہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ تو شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور اس کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور اس کو سیاست کہنا صرف ایک اصطلاح ہے، ورنہ اگر یہ عدل اور انصاف پر مبنی ہو تو شریعت ہی کا ایک حصہ ہے۔ پس سیاست کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک و ملت میں عادلانہ نظام جو عین شریعت الٰہیہ کے مطابق ہو قائم کیا جائے، جس کے ذریعے احکام الٰہی کو نافذ کیا جائے تاکہ ملک میں امن و سلامتی ہو، جس کی وجہ سے لوگ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔

سیاست کے بارے میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اقوال

حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے سیاست کا لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

☆ جمال السیاست العدل فی الامرة۔ [8]

سیاست کا سارا حُسن حکومت کے عدل اور انصاف میں پوشیدہ ہے۔

☆ خیر السیاست العدل۔ [9]

بہترین سیاست عدل قائم کرنا ہے

☆ ملاك السیاست العدل۔ [10]

سیاست کا دار و مدار عدل پر ہے۔

☆ سیاست العدل فی ثلاث: لین فی حزم و استقصاء فی عدل و افضال فی عدل۔ [11]

عدل والی سیاست تین اشیاء پر مشتمل ہے: ایک نرمی میں پختگی۔ دوسری عدل میں تحقیق۔ تیسری بخشش میں درمیانی راستہ۔

☆ بئس سیاست الجور۔ [12]

سب سے گندی سیاست ظلم ہے۔

☆ راس السیاست استعمال الرفق۔ [13]

سرنامہ سیاست مہربانی کرنا ہے۔

سیاست ہی کے ذریعے انسان کی بہترین تربیت کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کی ایک حدیث کے ضمن حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: و بحسن السیاست یکون الادب الصالح۔[14] یعنی: "اور بہترین سیاست کے ذریعے بہترین تربیت کی جا سکتی ہے۔" حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں سیاست کا مفہوم اس طرح بنتا ہے کہ عدل قائم کرنا اور حاکم کا عادل ہونا، حکمران کا اپنی ماتحت رعایا سے مہربانی و شفقت سے پیش آنا، حاکم کا اپنے آپ کی اصلاح کرنا، اس سے پہلے کہ وہ اپنی رعایا کی اصلاح کرے، امت کے امور کی تدبیر کرے، اس کے ساتھ ساتھ ایسے سیاستدانوں اور سیاست کی مذمت کرنا ہے جو عیار مکار اور غدار ہوں، ایسے ہی حکمران اور سیاستدان نا اہل ہیں۔ پس سیاست وہ عمل ہے جس کے ذریعے ظلم اور جور کو ختم کرکے عدل و انصاف قائم کرتے ہوئے عوام کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا راستہ اختیار کیا جائے۔

احادیث کی روشنی میں لفظ سیاست

انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا مقصد معاشرے میں عدل اور انصاف قائم کرنا اور لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کرنا ہے اور یہ کام سیاست کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے: قال ابوحازم قاعدتُ ابا هریرة خمس سنین فسمعتُه یحدِّثُ عن النبی صلّی الله علیه و آله و سلّم قال کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبیّ خلفه نبیّ و انّه لا نبیّ بعدی و سیکونُ خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا یا رسول الله فوا ببیعة الاوّل فالاوّل اعطوهم حقّهم انّ الله ساعلهم عمّا استرعاهم۔[15] یعنی: "ابو حازم فرماتے ہیں: میں پانچ سال ابوہریرہ کی مجلس میں شریک ہوا تھا۔ میں نے انہیں حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے: بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ جب کبھی کسی نبی کا انتقال ہو جاتا تھا تو اس کی جگہ پر دوسرا نبی آتا تھا۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرے بعد میرے خلفاء موجود ہوں گے۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں زیادہ خلفاء ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: ایسی صورتحال میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی بیعت پہلے ہوئی ہو، اس کی بیعت کو پورا کرو، ان کا حق اطاعت پورا کرتے رہو، اللہ تعالیٰ ان سے رعیت و عوام کے بارے میں خود سوال کرے گا۔"

یقیناً آپ ﷺ کے بعد ایک ہی وقت میں آپ ﷺ کے خلفاء زیادہ تھے، جیسے امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین علیہم السلام تھے اور ان کی خلافت بلحاظ عمر ترتیب سے تھی، لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے رسول اللہ (ص) کی اس حدیث اور وصیت: انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهل بیتی کو بھلا دیا اور در اہل بیت اطہار (ع) سے دور ہو گئے اور خلافت کو غیروں کے حوالے کر دیا۔

اس حدیث میں لفظ تسوسھم الانبیاء کی تشریح علامہ ابن حجر اور بدر الدین عینی اس طرح بیان کرتے ہیں: ای تتولیٰ امورھم کما تفعل الامراء والولاۃ بالرّعیۃ و السیاسۃ القیام علیٰ شیء بما یصلحه و ذالك لانّھم کانوا اذا ظھروا الفساد بعث اللہ نبیّا یزیل الفساد عنھم و یقیم لھم امرھم و یزیل ما غیّروا من حکم التّوراۃ۔[16] یعنی: "انبیاء بنی اسرائیل کے معاملات کا انتظام کرتے تھے، جس طرح امراء و حکام اپنی رعیت و عوام کے انتظام کو چلاتے ہیں۔ سیاست کسی چیز کی اصلاح کرنے کے لیے قیام کرنے کو کہتے ہیں اور یہ سیاست اس طرح ہوتی تھی کہ جب بھی بنی اسرائیل فساد پھیلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف اپنے نبی کو بھیج کر اس فساد کو ختم کرتا تھا اور وہ انبیاء ان لوگوں کی حالت کو درست کرتے تھے اور ان تحریفات و تغیّرات کو ختم کرتے تھے جو انہوں نے تورات کے احکامات میں کیے تھے۔ "اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیاست انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے، جس کے ذریعے وہ انسانوں کی اصلاح کرتے، معاشرے کو فسادات اور برائیوں سے پاک اور صاف کرتے اور اس سرزمین پر اللہ کا قانون نافذ کرتے تھے۔

قرآن کا نظریہ سیاست

قرآن کریم میں لفظ سیاست استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن سیاست سے مربوط نظام کی وضاحت کی گئی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حاکمیت اعلیٰ، اقتدار اعلیٰ: علم سیاست کی اصطلاح میں حاکمیت، اقتدار اعلیٰ، اقتدار مطلق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص یا مجموعہ اشخاص یا ادارے کے صاحب حاکمیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم قانون ہے۔ اسے افرادِ ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔ افراد اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں، خواہ بطوع و رغبت یا بکراہت۔ اس کے اختیاراتِ حکمرانی کو اس کے اپنے ارادے کے سوا کوئی خارجی چیز محدود کرنے والی نہیں ہے۔ افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں، جس کے جو کچھ بھی حقوق ہیں، اسی کے دیے ہوئے ہیں اور وہ جس حق کو بھی سلب کرے، وہ خود بخود معدوم ہو جاتا ہے۔ ایک قانونی حق پیدا ہی اسی بنا پر ہوتا ہے کہ شارع نے اس حق کو پیدا کیا ہے۔

اس لئے جب شارع نے اس کو سلب کر لیا تو سرے سے کوئی حق باقی نہیں رہا کہ اس کا مطالبہ کیا جا سکے۔ قانون صاحب حاکمیت کے ارادے سے وجود میں آتا ہے اور افراد کو اطاعت کا پابند کرتا ہے، مگر خود صاحب حاکمیت کو پابند کرنے والا کوئی قانون نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں قادر مطلق ہے۔ اس کے احکام کے بارے میں خیر و شر اور صحیح و غلط کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ کرے، وہی خیر ہے۔ اس کے کسی تابع کو اسے شر قرار دینے کا

حق نہیں ہے۔ جو کچھ وہ کرے، وہی صحیح ہے۔ کوئی تابع اس کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔ اس لیے ناگزیر ہے اسے سبوح و قدوس اور منزہ عن الخطا مانا جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ ایسا ہو یا نہ ہو۔ [17]

کیا کسی شاہی نظام میں واقعی کوئی بادشاہ ایسی حاکمیت کا حامل ہے یا کبھی پایا گیا ہے یا پایا جا سکتا ہے؟ آپ کسی بڑے سے بڑے مختار مطلق فرماں روا کو لے لیجیے۔ اس کے اقتدار کا آپ تجزیہ کریں گے تو معلوم ہو گا کہ اس کے اختیارات کو بہت سی خارجی چیزیں محدود کر رہی ہیں، جو اس کے ارادے کے تابع نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم سیاست کے ماہرین جب حاکمیت کا واضح تصور لے کر انسانی سوسائٹی کے دائرے میں اس کا واقعی مصداق تلاش کرتے ہیں تو انہیں سخت پریشانی پیش آتی ہے۔ کیونکہ انہیں کوئی قد و کاٹھ ایسا نہیں ملتا جس پر یہ جامہ راست آتا ہو۔ اس لیے کہ انسانیت کے دائرے میں، بلکہ در حقیقت مخلوقات کے دائرے ہی میں اس قامت کی ہستی سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن بار بار کہتا ہے۔

فی الواقع حاکمیت کا حامل صرف ایک خدا ہے اور وہی مختار مطلق ہے: فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ...۔ [18] جو کچھ چاہے اسے پورے طور پر کر سکتا ہے۔ وہی غیر مسئول اور غیر جوابدہ ہے: لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ...۔ [19] جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔ وہی تمام اقتدار کا مالک ہے: بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ...۔ [20] اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے، جس کے اختیارات کو محدود کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہے: وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ...۔ [21] وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور اسی کی ذات منزہ عن الخطا ہے: الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ ...۔ [22] بادشاہ حقیقی، پاک ذات، سلامتی دینے والا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ مالک الملک (کائنات کی بادشاہت کا مالک) ہے: ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ.. [23] اور اس کے ملک میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے: لَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ...۔ [24] اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات خلق کی ہے۔ لہٰذا اسی خلق پر فطرتاً امر (سیاست و حکومت) کا حق بھی اسی کا ہے: أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ...۔ [25] ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم اعلیٰ صرف ذات خدا ہے اور اس کائنات میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کے علاوہ کسی اور کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔

خلافت و حکومتِ انبیاء علیہم السلام

اس کے ملک میں اس کی مخلوق پر، خود اس کے سوا کسی دوسرے کا امر جاری ہونا اور حکم چلنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ صحیح راستہ صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ اس کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت ہی میں اس کے قانون شرعی کے مطابق حکمرانی ہو اور فیصلے بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم (ع) کو بنانا چاہا تو فرشتوں کو مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:۔ إِنِّي جَاعِلٌ

فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ...۔[26] میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں۔ زمین کا انتظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کے لیے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر ہونا، جو اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اقتدار اعلیٰ، تمام کائنات اور پوری زمین پر، صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ زمین کے انتظام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں، جو باذن خداوندی زمین پر سیاست وحکومت اور بندگان خداوند کی تعلیم وتربیت کا کام کرتے ہیں اور احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں۔ اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلاواسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔[27] اور وہ جس کو چاہے اسے اس کی اہلیت کے مطابق اپنا خلیفہ اور نائب بنا سکتا ہے: اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ...۔[28] اور جس کو چاہے حکومت دے دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے یہ سب اسی کے اختیار میں ہے: قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ...۔[29] کہو اے اللہ مالک الملک! تو جس کو چاہے ملک دے دے اور جس سے چاہے چھین لے... ۔ کیونکہ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ خلق اسی کی ہے۔ لہٰذا فطرتاً حکمرانی کا حق بھی صرف اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کے ملک میں اس کی خلق پر اس کے سوا کسی دوسرے کا امر جاری ہونا اور حکم چلنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ اس کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت میں اس کے قانون شرعی کے مطابق حکمرانی ہو اور فیصلے کیے جائیں۔

جب خوارج نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سامنے لَاحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف خدا کا ہے) کا نعرہ لگایا تو آپ (ع) نے انہیں جواب دیا: کلمة حق یراد بها الباطل نعم انّه لاحکم الّا للّٰه ولکن هٰؤلآء یقولون لا امرة الّا للّٰه و انّه لابدّ للنّاس من امیر برّ او فاجر۔[30] یعنی: یہ جملہ تو صحیح ہے، مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لیے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا ہو۔

خوارج دراصل جھوٹے تقدس کے لباس میں سطحی ذہن رکھنے والوں کا ایک فریب خوردہ گروہ تھا۔ یہ لوگ پہلے حضرت علی (ع) کے گروہ میں شامل تھے، لیکن جب جنگ صفین کے واقعے میں حکمیت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت علیؑ کو ان کا فیصلہ ماننے پر مجبور کیا گیا تو یہ لوگ حضرت علیؑ سے کنارہ کش ہو گئے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ حکم اور حکومت کا اختیار صرف اور صرف خدا کو ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے کہ وہ کوئی فیصلہ کرے یا لوگوں پر حکومت کرے۔ لہٰذا اس دنیا میں بھی خدا کے علاوہ کوئی حاکم و فرمانروا نہیں بن سکتا۔

اس طرز فکر کا کھوکھلا پن جس کے طرفدار ہر زمانہ میں کم و بیش پائے جاتے رہے ہیں، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، کیونکہ خدا کی حاکمیت تو تسلیم، لیکن اس کی حاکمیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ خود انسانوں میں سے

کسی سرپرست و حاکم سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس لیے کہ اللہ کی حاکمیت اس کے نیک بندوں اور خلفاء اللہ کے ذریعے جلوہ گر ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندے ہی روئے زمین پر خدا کے نمائندے ہوا کرتے ہیں اور خدا انہیں فیصلے، حکومت کرنے کا اختیار دے دیتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیتیں اس حقیقت پر گواہ ہیں۔

حضرت داؤود علیہ السلام کی سیاست اور حکومت کا ذکر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت داؤود علیہ السلام کی حکومت اور خلافت کا ذکر کرتے ہیں: يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ[31] یعنی: اے داؤود ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ للذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہشات کی اتباع نہ کرو تاکہ وہ تمہیں راہِ حق سے منحرف نہ کر دیں بے شک جو لوگ راہِ خدا سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے شدید عذاب ہے کہ انہوں نے روز حساب کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤود علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانے کے بعد انہیں عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت چلانے کا حکم دیا ہے اور ظلم اور جور سے حکومت کرنے سے سخت منع کرتے ہوئے اس کے انجام بد سے بھی ڈرایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے فیصلے پر عمل نہ کرنے والے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

☆ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ [32]

اور جو لوگ اللہ کے بیان کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ کافر ہیں۔

☆ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [33]

جو لوگ اللہ کے بیان کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔

☆ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[34]

جو لوگ اللہ کے بیان کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ فاسق ہیں۔

ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی بیان کرتے ہیں: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کیے ہیں: ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں اور تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر، اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے،

وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اولاً یہ کہ اس کا فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے اور ثانیاً اس کا یہ فعل عدل اور انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو ہو سکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اس لیے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو در حقیقت بندگی و اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے اور یہ کفر، ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہے۔ [35]

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیاست و حکومت کا ذکر

اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ذکر کرتے ہیں: وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُo وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ [36] یعنی: "اور سلیمان داؤد کے وارث بنے اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے اور ہمیں سب طرح کی چیزیں عنایت ہوئی ہیں، بے شک یہ تو ایک نمایاں فضل ہے۔ اور سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ان کی جمع بندی کی جاتی تھی۔"

اس آیۃ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح داؤود علیہ السلام کو حکومت عطا کی گئی تھی، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤود علیہ السلام کی حکومت کا وارث بنایا گیا اور انہیں حکومت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ جنوں، انسانوں اور پرندوں وغیرہ کا لشکر عطا کیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا دائرہ انسانوں سے بڑھا کر جنوں اور پرندوں تک کیا گیا۔

حضرت طالوت کی سیاست اور حکومت کا ذکر

اللہ تعالیٰ حضرت طالوت کو حکومت عطا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوَاْ أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ [37] یعنی: "ان کے نبی نے ان سے کہا اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے، کہنے لگے اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیسے مل گیا؟ جبکہ ہم خود بادشاہی کے اس سے زیادہ حقدار ہیں اور وہ تو کوئی دولتمند آدمی نہیں ہے۔ پیغمبر نے کہا اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسمانی طاقت کی فراوانی سے نوازا ہے اور اللہ اپنی بادشاہی جسے چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑا وسعت والا دانا ہے۔"

اس آیہ کریمہ میں اللہ حضرت طالوت (ع) کو راہ خدا میں جہاد کرنے اور اور ملک و حکومت عطا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ نیک و صالح حکومت کے ذریعے اس زمین کو فتنہ اور فساد سے پاک و صاف کیا جاتا ہے اور جب بنی اسرائیل نے اعتراض کیا کہ اس کے پاس نہ مال ہے اور نہ ہی دولت ہے تو حکومت اسے کیوں ملی تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ حکومت ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے، جن کے پاس مال و دولت ہے، بلکہ حکومت ایسے نیک اور صالح لوگوں کا حق ہے جن کے پاس حکومت چلانے کا علم اور صلاحیت ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں۔

کیونکہ حکام کی صلاحیت میں سب سے پہلا امر یہ ہے کہ اس کے پاس حکومت چلانے کی طاقت و قوت ہو، جس کے بارے میں امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ایّها النّاس انّ احقّ النّاس بهٰذا الامرِ اقواهم علیه و اعلمهم بامرِاللهِ فیه۔ [38] اے لوگو! تمام لوگوں میں اس حکومت و خلافت کا اہل وہ ہے، جو اس کو چلانے کی سب سے زیادہ قوت رکھتا ہو اور اس کے بارے میں اللہ کے احکام کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کی حکومت چلانے کی صلاحیت کو بھی حفیظ اور علیم قرار دیا: قَالَ اجْعَلْنِی عَلَی خَزَآئِنِ الأَرْضِ إِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ [39] مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر، بے شک میں اس کی حفاظت کرنے کی طاقت اور اسے صحیح چلانے کا علم بھی رکھتا ہوں۔

صالح لوگوں کی حکومت

جب انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ رک جائے یا کسی خطے میں نبی خود نہ پہنچ سکے تو وہاں نیک اور صالح لوگوں کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا نیک اور صالح لوگوں سے حکومت عطا کرنے کا وعدہ ہے: وَعَدَ اللهُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُم فِی الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِینَهُمُ الَّذِی ارْتَضَی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا یَعْبُدُونَنِی لَا یُشْرِكُونَ بِی شَیْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [40] یعنی: "اللہ نے اہلِ ایمان اور صاحبانِ عمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین پر اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا ہے اور ان کے لیے اس دین کو غالب کرے گا جسے ان کے لیے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا، وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی طرح کا شرک نہ کریں گے اور اس کے بعد بھی کوئی کافر ہو جائے تو درحقیقت وہی لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور صالحین کی حکومت قائم کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ اس حکومت کے فائدے بھی بتائے ہیں کہ اس حکومت میں دین سربلند ہو گا، ایک اللہ کی عبادت ہو گی، شرک اور عصیان سے زمین پاک ہو جائے گی۔

اس آیہ کریمہ کی شیخ محسن علی اس طرح وضاحت کرتے ہیں: "خلافت سے مراد صرف غلبہ اور اقتدار نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، بلکہ جس خلافت کا اس آیت میں وعدہ دیا جا رہا ہے وہ درج ذیل اصولوں پر قائم ہے۔ i ایمان۔ ii عمل صالح iii۔ ان کے پسندیدہ دین کی پائداری۔ iv خوف کے بعد امن۔ v شرک سے پاک خالص اللہ کی بندگی۔ لہٰذا ہر منصف اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جن کے اقتدار کے سائے میں دین کو استحکام ملے گا۔ واضح رہے حکومت کا استحکام اور ہے اور دین کا استحکام اور ہے، بلکہ مسلمانوں کا استحکام اور ہے اور اسلام کا استحکام اور ہے۔ ممکن ہے کسی دور میں اسلام کے زرین اصولوں کے استحکام کے لیے جنگ لڑی جا رہی ہو، مسلمانوں میں بے چینی ہو، لیکن اسلام کو تحفظ مل رہا ہو۔ چنانچہ یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کو تو استحکام ہو لیکن اسلامی اصول پامال ہو رہے ہوں اور دین کی تمکین و استحکام، اس کے نظام عدل و انصاف کا قیام، ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو جڑ سے اکھاڑ دینا اور ہر قسم کے شرک سے پاک اللہ کی بندگی ہے اور ظہور مہدی (عج) کے بعد ہی یہ وعدہ پورا ہو سکتا ہے۔"[41]

جب نیک اور صالح لوگوں کو حکومت ملے گی تو وہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے احکامات کے مطابق حکومت کریں گے جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے: الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ[42] یعنی: "یہ وہی لوگ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں زمین میں اختیار دیا تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیں گے اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قانونی حکومت وہ ہے جو اقتدار حاصل ہونے پر تین چیزوں کو اپنا شعار بنائے: اقامہ نماز، زکوٰۃ کی ادائیگی اور اصلاح معاشرہ۔ اقامہ نماز کے ذریعے اللہ سے بندگی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور ادائے زکوٰۃ کے ذریعے غریبوں اور ناداروں کی کفالت ہوتی ہے جو کہ حکومت کی ذمہ داری ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے عدل و انصاف قائم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ پس اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور صالحین صاحبان اقتدار کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اور دوسروں کو بھی مذکورہ امور کا حکم دیں گے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ مجمع البحرین جلد ۴ ص ۷۸

2۔ ''المنجد''، ص ۳۶۲

3۔ ایضا

4۔ ایضا

5۔ مقدّمۃ ابن الخلدون ، ص ۱۱۳

6۔ البحر الرّائق ج ۵ ص ۷۶ طبع بیروت)

7۔ محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیّۃ کتاب الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیۃ

8۔ غرر الحکم و درر الکلم جلد ۱ ص ۳۳۵۔

9۔ ایضا

10۔ ایضا ص ۲۷۸

11۔ ایضا ص ۳۰۴

12۔ ایضا ص ۳۰۴

13۔ ایضا ص ۳۷۲

14۔ اصول الکافی جلد ۱ ص ۲۱

15۔ صحیح بخاری (مترجم) مکتبہ رحمانیہ لاہور (اردو ترجمہ) ، حدیث نمبر ۳۴۵۵ ج ۴ ص ۲۲۷۔ اور امام مسلم بن حجاج: صحیح مسلم (مترجم) کتاب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفہ، ج ۵ ص ۱۳۳)

16۔ عمدۃ القاری شرح البخاری، جلد ۱۶ ص ۱۴۳، احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح البخاری

17۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی: اسلامی ریاست، ص ۳۱۳۔ ۳۱۴

18۔ ہود: ۱۰۷

19۔ الانبیاء : ۲۳

20۔ المؤمنون: ۸۸

21۔ المؤمنون: ۸۸

22۔ الحشر: ۲۳

23۔ فاطر ۱۳

24۔ بنی اسرائیل ۱۱۱

25۔اعراف ۵۴

26۔بقرہ: ۳۰

27۔مفتی محمد شفیع: ''تفسیر معارف القرآن''

28۔الانعام ۱۲۴

29۔آل عمران ۲۶

30۔نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۴۰، ص ۱۹۷

31۔سورۃ ص ۳۸ آیۃ ۲۶

32۔سورۃ المائدہ آیۃ ۴۴

33۔ایضاً آیہ ۴۵

34۔ایضاً آیۃ ۴۷

35۔سید ابوالاعلیٰ مودودی" تفہیم القرآن" ج ا ص ۴۷۵۔۴۷۶ پبلشر ادارہ ترجمان القرآن لاہور طبع یازدہم سال ۱۹۸۳ع

36۔سورۃ النمل آیۃ ۱۶۔۱۷

37۔سورۃ البقرہ ۲ آیۃ ۲۴۷

38۔'' نہج البلاغہ ''، خطبہ ۱۷۱ص ۴۶۳

39۔سورۃ یوسف آیۃ ۵۵

40۔سورۃ نور ۲۴ آیۃ ۵۵

41۔ترجمہ قرآن، حاشیہ قرآن ص ۳۵۱

42۔سورۃ الحج آیۃ ۴۱

المراجع والمصادر

1) القرآن الکریم

2) ابن نجیم: ''البحر الرّائق''، طبع بیروت)

3) احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی: ''فتح الباری شرح البخاری''، قاہرہ دار الریان للتراثدوئم سال طبع ۱۳۸۰ھ

4) امام اسماعیل بخاری: ''(صحیح بخاری''، (مترجم) مکتبہ رحمانیہ لاہور (اردو ترجمہ) سال طبع ۱۹۹۵ع

5) امام علی: '' نہج البلاغہ '' (مترجم مفتی جعفر حسین نجفی) امامیہ پبلیکنز لاہور۔

6) امام مسلم بن حجاج: '' صحیح مسلم '' (مترجم)، طبع لاہور، طبع اول، سال طبع ۱۹۸۱ع،

7) بدر الدین عینی: ''عمدۃ القاری شرح البخاری''، قاہرہ سال ۱۳۰۸ھ،

8) سید ابوالاعلیٰ مودودی" تفہیم القرآن"، پبلشر ادارہ ترجمان القرآن لاہور طبع یازدہم سال ۱۹۸۳ع)

9) شیخ محسن علی نجفی: ''ترجمہ قرآن''، امامیہ پبلیکیشنز لاہور الطبع الثالث مارچ 2003ع

10) عبد الرحمان ابن الخلدون، مقدّمۃ ابن الخلدون، دار الفکر بیروت، سال طبع ۱۴۰۸ھ
11) عبد الواحد آمدی: ''غرر الحکم و درر الکلم''، بیروت لبنان طبع دوئم ۱۹۸۷ء
12) فخر الدین الطریحی؛ ''مجمع البحرین''، انتشارات مرتضوی چاپخانہ حیدری تہران، طبع سوم، ۱۳۷۵ھ
13) لویس معلوف: ''المنجد''
14) محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیّۃ کتاب "الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیۃ" المطبعۃ المنیریۃ بالقاہرہ طبع اول سال طبع ۱۳۷۲ھ)
15) کلینی، محمد یعقوب: ''اصول الکافی''، ناشر دار الکتب اسلامیہ تہران، طبع چہارم، سال ۱۳۶۵ھ ش
16) مفتی محمد شفیع: ''تفسیر معارف القرآن''، طبع سروس بک کلب راولپنڈی